







# لذت گریہ

ایک ایچے مذاہبہ نگار  
ایک ایچے کالم نگار  
اور  
ایک ایچے دوست  
سارے  
کیتے کے ساتھ  
۱

اشرف عادل

اشرف عادل

۱۱-۶-۵۵

## © اشرف عادل

بڈوباغ، خانیاں سرینگر ۱۹۰۰۰۳

نام کتاب \_\_\_\_\_ لذتِ گریہ  
مصنف \_\_\_\_\_ اشرف عادل  
سنہ اشاعت \_\_\_\_\_ ۲۰۰۲ء  
کمپیوٹر کمپوزنگ \_\_\_\_\_ گلزار حضرت بلی  
مطبع \_\_\_\_\_ سپر ڈکس پرنٹرس (نئی بھٹ)  
سرورق \_\_\_\_\_ ارشد صالح  
ترتیب و انتخاب: \_\_\_\_\_ پروفیسر قاضی عبید الرحمن ہاشمی  
صدر شعبہ اُردو، جامعہ ملیہ دہلی  
تعداد \_\_\_\_\_ ۱۰۰۰  
بیک کور \_\_\_\_\_ طارق کابلی  
قیمت \_\_\_\_\_ ۲۵۰ روپے

تقسیم کار

☆ کتاب گھر، مولانا آزاد روڈ سری نگر  
☆ کتاب گھر، کنال روڈ، جموں  
☆ مکتبہ جامعہ، نئی دہلی





بالتا

# بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## انتساب

اُردو غزل کی مترنم آواز

سراج اورنگ آبادی

کے

نام

خیر تحیر عشق سن، نہ جنوں رہا نہ پری رہی

نہ تو تُو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبر یہی



آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں  
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

○ — میں یہ دعویٰ نہیں کروں گا کہ میری شاعری کسی غیبی طاقت کے ذریعے  
آسمانوں سے مجھ پر اترتی ہے۔ کیوں کہ میں ایک عام آدمی ہوں، عام لوگوں کی طرح  
سوچتا ہوں، محسوس کرتا ہوں اور پھر ٹوٹ جاتا ہوں۔ اکثر جب اندر کوئی چیز ٹوٹتی ہے تو  
اس ٹوٹی ہوئی چیز کے لہو سے اپنی تخلیق کا غد پر قم کرتا ہوں اور جب میرا کلام لوگوں تک  
پہنچ جاتا ہے کبھی میری حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور کبھی حوصلہ شکنی۔ لیکن۔  
”نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا“

میں نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ ایک فلاسفر کی طرح سوچوں یا اپنے شعروں کو فلاسفی کے  
رنگ میں رنگ دوں بلکہ ہمیشہ اس کوشش میں رہا کہ اپنی بات واضح اور صاف لفظوں  
میں اپنے قاری تک پہنچا دوں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوا  
ہوں یا نہیں۔ اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیتا ہوں۔

میرا شعری مجموعہ ”لذت گریہ“ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ لیکن مجھے لگتا  
ہے کہ ابھی تک میرے قلم کی آنکھ سے وہ روشنائی کا قطرہ نہیں پڑکا ہے جس سے ایک  
مکمل تخلیق یا ایک مکمل فن پارہ وجود میں آ سکے۔ تب تک اسی کوشش میں رہوں گا جب

تک کہ نہ قلم کی آنکھ وہ قطرہ پٹکائے جس سے ایک مکمل فن پارہ وجود میں آجائے۔  
 میں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ میں عام فہم زبان کا استعمال کروں۔ بنیادی  
 طور پر میں کلاسیکی شاعری سے بہت متاثر ہوں اور میرے خیال سے ہر شاعر کی شاعری  
 کی بنیاد بھی کلاسیکی شاعری کی مضبوط اینٹوں پر ہی کھڑی ہونی چاہئے۔ کیوں کہ آج تک  
 اردو ادب کی دنیا میں بہت ساری تحریکیں چلیں۔ ان تحریکوں سے بہت سے لوگ متاثر  
 ہوئے اور گمراہ بھی۔ ترقی پسند تحریک، جدیدیت اور اب مابعد جدیدیت۔ اس کے علاوہ  
 اور بھی بہت سی تحریکیں ابھر کر سامنے آتی گئیں لیکن ان سب تحریکوں نے کوئی بڑا شاعر  
 پیدا نہیں کیا۔ اس کے برعکس کلاسیکی ادب نے ہمیں بڑے بڑے شاعر دیئے جن کے  
 اسمائے گرامی آج بھی انوکہ زبان پر ہیں۔

اشرف عادل

سرینگر۔

۲۷ اگست ۲۰۰۱ء



○ — جدید تر غزل جس کو میں سہل ممتنع کی شاعری کہتا ہوں راست اظہاری کی بہترین اور موثر مثال ہے۔ اپنے تخلیقی تجربوں کے اظہار کے لئے ایک تخلیق کار سادہ اور سہل اظہار بیان اس لئے اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے قاری کے قریب زیادہ سے زیادہ آنا چاہتا ہے۔ عرب میں شاعر قبیلے کی آنکھ کا تار ہوتا تھا فارسی میں بادشاہ کی آنکھ کا تار اردو میں وہ عوام کی آنکھ کا تار ہوتا تھا۔ اس منصب کے حصول میں وہ پھر سے کوشاں نظر آتا ہے۔ روزمرہ اور عام بول چال کو تخلیقی اظہار کیلئے استعمال کر دینا دیا سلاہوں سے عمارت تعمیر کرنے کے مترادف ہے۔

جدید تر غزل زندگی میں آئی ہوئی نئی قدروں اور تبدیلیوں کا راست اور بھرپور اظہار ہے۔ اس راست اظہاری کے ڈانڈے صحیح معنوں میں بلا واسطہ طور پر ردِ عمل کے شعراء مثلاً حاتم۔ رنگین اور تاباں سے ملتے ہیں۔

کہتا ہے صاف و شستہ سخن بسکہ بے تلاش  
حاتم کو اس سبب نہیں ایہام پر نگاہ

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے  
دل سے صبر و سرار جاتا ہے

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ دل کو  
کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں

اشرف عادل کا تعلق چونکہ جدید تر نسل سے ہے اسی لئے اُن کا میلان طبع  
راست گفتاری کی طرف پایا جاتا ہے۔ یوں تو وہ ڈرامے اور مضامین بھی لکھتے ہیں مگر اُن  
کا پہلا عشق شاعری ہے۔

اشرف عادل کی غزل لہجے اور طرز احساس دونوں اعتبار سے نئے لب و لہجے  
اور احساس کی ترجمانی کرتی ہے۔ اُنہوں نے عشق و محبت کے بنیادی احساسات کے  
ہمراہ روح عصر کی تصویر کشی جذبے کی شدت، شائستگی، اظہار کی صداقت، لہجے کے  
سوز و گداز کے ساتھ کی ہے۔ داخلی کیفیات کے ساتھ کائنات اور انسان کے رشتے پر  
جب وہ بات کرتے ہیں وہ سادہ بیانی اور راست گفتاری کو کہیں نہیں ہاتھ سے نہیں جانے  
دیتے ہیں۔

خوب اندھیروں نے ہم پہ راج کیا  
پر نہ سورج سے احتجاج کیا

میری عجلت پسندیاں دیکھو  
کل جو کرنا تھا میں نے آج کیا



خود کو کتنا سنبھال رکھا تھا  
آخرش ٹوٹ گیا میری طرح

ان اشعار کی توانائی عام بول چال اور بے تکلف کیفیت ہے جس سے نئی ست رنگ  
دھنک منصہ شہود پر آتی ہے۔

اشرف عادل کی شاعری میں عشق نہایت ہی متحرک اور قوی جذبہ بن کر ابھرتا  
ہے اور یہی جذبہ اُن کو زندگی کی کڑکتی دھوپ اور تلخیوں کو گوارا بنانے میں مدد دیتا ہے۔

موسم گل نہ مجھکو بھاتا تھا  
تیری چاہت نے خوش مزاج کیا

ایک انجان خواب کا افسوس  
کھٹکھٹاتا ہے شہر ذات کا در

میر کے یہاں بھی عشق جرات مندی اور ولولہ خیزی کی کیفیت بن کر ابھرتا  
ہے۔

ہوگا کسی دیوار کے سائے تلے میر  
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

اشرف عادل کے اسلوب بیان کی اپنی ایک شناخت قدم قدم پر الم نشرح ہو جاتی ہے۔  
نہ اُن کے یہاں اپنے ہم عصروں کی طرح انسانیت اور تکرار ہے اور نہ اُن کے یہاں بور  
کرنے والی یکسانیت ہے۔

فن سے مطمئن ہونا ہے  
موت کا اشارا ہے

جولفظیات وہ اپنے اظہار بیان کیلئے استعمال میں لاتے ہیں وہ اگرچہ اُن کے معاصر  
شعراء کے یہاں بھی پائی جاتی ہے لیکن اُنہوں نے اسی لفظیات کو نئی معنوی جہتیں عطا  
کی ہیں۔ اسی وجہ سے اُن کے یہاں دھوپ، برف، فقیری، اندھیرا، سایہ، شجر، حیرانی  
جیسی عامتہ الورد لفظیات اپنے استعمال میں نئی جہتوں سے آشنا کراتی ہے۔

اشرف عادل کی شاعری میں انتخاب لفظ (Poetic diction) پیکر تراشی  
اور مترنم بحروں کا استعمال بطور خاص پایا جاتا ہے۔ یہ تینوں چیزیں ان کی شاعری کی  
قوت بھی ہے اور کمزوری بھی۔ ان کی شاعری میں حسی اور بصری پیکروں کے ساتھ ساتھ  
لمسی پیکر بھی وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ حسی اور لمسی پیکر جرات (قلندر بخش  
جرات) کی طرح بے باک اور سطحی بھی ہیں مگر اُن میں یک گونہ متانت بھی پائی جاتی



ہے۔

تن بدن برف کا جسم و جاں دھوپ کے  
بے نشان منزلیں کارواں دھوپ کے

چاندنی بھی یہاں پر ہے جھلسی ہوئی  
کسی نے گاڑے یہاں سائباں دھوپ کے

مجھے یقین ہے کہ اشرف عادل کا یہ مرض کلام اپنے پڑھنے والوں کو دیر تک اور دور تک  
اپنے ساتھ لے جائے گا۔

اے بُد بُد صبا بسبامی فرستمت  
بنگر کہ از کجا یکجا می فرستمت  
(حافظ)

ڈاکٹر فرید پربت

(سرینگر)

۱۷ اگست ۲۰۰۱ء

غزلیں





اک چمک دے یقیں کی اے مولیٰ  
ہے یہ خواہش حزیں کی اے مولیٰ

جھک گئی جو فقط ترے آگے  
لاج رکھ اُس جبین کی اے مولیٰ

جگمگاتی رہے سدا یوں ہی  
شع میرے یقیں کی اے مولیٰ

دل کی وسعت میں جھانک کر دیکھوں  
لامکانی مکیں کی اے مولیٰ

ہوں حلیفِ صفا و صدق کا میں  
ہے عطا شاہِ دیں کی اے مولیٰ

# نعت

زباں پر جب آیا وہ اسمِ گرامی  
صبا گنگنانے لگی نعتِ جامی

گلوں نے وہیں سے یہ خوشبو بھی پائی  
صبا نے جہاں سیکھی نازک خرامی

شفاعت مری کیجئے روزِ محشر  
عرض یہ گزاروں وہ جالی جو تھامی

میں مفلس ہوں داتا، ہوں اک جنسِ کاسد  
سبھی عمر کاٹی بہ ایں تشنہ کامی

میری ننگ نامی ڈبو لے گی مجھ کو  
پچائے گی مجھ کو تری نیک نامی

ہوں عقبیٰ سے نابلد دُنیا کا طالب  
مری زندگی میں یہی ایک خامی







رگ و پے میں کبوتر بولتا ہے  
مرے اندر سنخور بولتا ہے

بھری محفل میں دلبر بولتا ہے  
گلوں میں اک صنوبر بولتا ہے

قلم سے لڑ رہا ہوں جنگ کوئی  
مرے ہاتھوں میں خنجر بولتا ہے

تمناشے کی بھی حد ہوتی ہے کوئی  
مداری چپ ہے بندر بولتا ہے

اُسے خاموش کر کے بھی میں ہارا  
وہ اندر اور باہر بولتا ہے

خدا کی رحمتوں پر ہے بھروسہ  
یقین پختہ ہو پتھر بولتا ہے

اٹھایا ہے جو پتھر تو نے عادل  
تیرے ہاتھوں میں گوہر بولتا ہے



بند جب ہوگا خواہشات کا در  
دیکھ کھلتا ہے پھر حیات کا در

ایک انجان خواب کا افسوں  
کھٹکھٹاتا ہے شہر ذات کا در

عقل کے بت کو توڑ کر سوچا  
کھل ہی جائے گا کائنات کا در

ہاتھ آئی ہے مجھ کو محرومی  
کھول رکھا تھا خواہشات کا در

ان فضاؤں کی وسعتوں میں بکھر  
کھول کر دیکھ کائنات کا در

اک صدا سے ہوا فلک کو شگاف  
کھل گیا ہوگا شش جہات کا در

خود بخود مہرباں وہ ہوں عادل





شکستہ یاد گاروں پر نظر کر  
اُجڑتے ان دیاروں پر نظر کر

کبھی یہ آسماں پر تھے مُتَوَر  
ذرا ٹوٹے ستاروں پر نظر کر

سیاست سے چلاتے ہیں جو نشتر  
کبھی اِن شہریاروں پر نظر کر

معطر ہوگئی جن سے۔ طبیعت  
گلوں کے اُن شراروں پر نظر کر

ادھر بھی اک نگہ ہم منتظر ہیں  
وفا کے پاسداروں پر نظر کر

گلوں کو احتیاطاً چن رہے ہیں  
کبھی سینہ فگاروں پر نظر کر

کنارے پر سفینہ آ گیا ہے  
مگر اُن کے اشاروں پر نظر کر





شہر پر آشوب میں ڈر بکتا ہے  
اور بے مول ستمگر بکتا ہے

مُفلس پیاسے ہی مر جائیں گے  
صحراؤں میں سمندر بکتا ہے

گوہر کی قیمت گر جاتی ہے  
مورت میں جب پتھر بکتا ہے

پیغام کوئی بھیج مرے نام بھی  
تیرے نگر میں کبوتر بکتا ہے

آنکھن آنکھن دیوار کھڑی ہے  
میرے مکاں میں بھی گھر بکتا ہے

بندے کی قیمت خاک لگائیں  
شہر میں بندہ پرور بکتا ہے

آب حیات کی خاطر دُنیا میں  
ہر اک یگ میں سکندر پکتا ہے

ایک مداری کے ڈر سے عادل  
چوراہے پر بندر پکتا ہے







جہاں سورج چمکنے کا ہے امکاں  
وہیں بادل برسنے کا ہے امکاں

کبھی خوشبو خیالوں میں بسی تھی  
تصوّر اب مہکنے کا ہے امکاں

شکاری دام میں خود آگئے ہیں  
کبوتر کے چمکنے کا ہے امکاں

ابھی مت چھوڑ میخواری کا دامن  
ابھی مجھ کو بہکنے کا ہے امکاں

لیکروں میں بسی ہے تیری خوشبو  
میری قسمت چمکنے کا ہے امکاں

بُجھے گی پیاس لفظوں کی ، قلم سے  
سیاہی کے ٹپکنے کا ہے امکاں

جہاں آئی ہے زیرِ آب دھرتی  
وہاں بادل برسنے کا ہے امکان

تمازت دھوپ کی کافی جہاں ہے  
وہیں سورج چمکنے کا ہے امکان

چلو برسات میں خود بھیگ جائیں  
گھروں میں چھت ٹپکنے کا ہے امکان

سدا جلتا رہے گا یوں ہی عادل  
نہیں دل کے بدلنے کا ہے امکان





میرے گلشن سے پون کی آبرو  
آتشِ گل اور سمن کی آبرو

یاد تیری، میرے فن کی آبرو  
پھول ہو جیسے چمن کی آبرو

درد کی چھایا چُھن کی آبرو  
رینگتے سائے ہیں پھن کی آبرو

آرزوئیں حسرتیں اور خواہش  
میرے اس دیوانہ پن کی آبرو

بے ہنر ہوں بات پھیلائی گئی  
شعر میرا ہے سخن کی آبرو

اب متاعِ درد کو عادل سمیٹ





خوب اندھیروں نے ہم پہ راج کیا  
پر نہ سورج سے احتجاج کیا

آج پھر تیرے نام لکھا خط  
وہشتِ دل کا یوں علاج کیا

موسمِ گل نہ مجھ کو بھاتا تھا  
تیری چاہت نے خوش مزاج کیا

اُس نے بھی دل کی سلطنت چھوڑی  
سالہا سال جس پہ راج کیا

میری عجلت پسندیاں دیکھو !  
کل جو کرنا تھا میں نے آج کیا

اک فقیری کے واسطے عادل  
میں نے انعامِ تخت و تاج کیا





اُس پہ طوفان پیا میری طرح  
اُس کا ہر خواب بجھا میری طرح

اُس لیا ہوگا کسی انسان نے  
وہ رس سے بھی ڈرا میری طرح

نقش پا چھوڑ بھی دیتا کیسے  
پانیوں پر وہ چلا میری طرح

وہ اُجالوں سے خفا ہے شاید  
بادلوں میں ہے چھپا میری طرح

خود کو کتنا سنبھال رکھا تھا  
آخرش ٹوٹ گیا میری طرح





دھوپ سے بچنے کا احساس بھی تھوڑا  
سورج ڈھلنے کا احساس بھی تھوڑا

جلدی جانے کا اصرار برابر!  
دیر سے آنے کا احساس بھی تھوڑا

راہیں روشن کر دیں ، خوش ہوں لیکن  
گھر کے جلنے کا احساس بھی تھوڑا

خود ہی خود سر ہونے کا دعویٰ بھی  
دل کے جھکنے کا احساس بھی تھوڑا

مختاری کی تہمت بھاری لیکن  
اشرف ہونے کا احساس بھی تھوڑا

انصاف نہ ملنے کا ماتم پیہم  
عادل ہونے کا احساس بھی تھوڑا







بس ایک یاد تیری دلاتا رہا چراغ  
کل رات ساز دل کا بجاتا رہا چراغ

کل تیز آندھیوں میں جلاتا رہا چراغ  
سب کی نظر سے آج چھپاتا رہا چراغ

اک تیرا عکس لو پہ دئے کی ، بنا رہا  
من کے اُجالے رات چراتا رہا چراغ

میں روشنی کا روز طلبگار ہی رہا  
ہاں میرے دل میں شمع جلاتا رہا چراغ

چوکھٹ پہ دل کی پھیل گئی تہرگی تمام  
اک دل جلا جلاتا بجھاتا رہا چراغ

عزمِ سفر کبھی جو کیا رہ میں دوستو!  
یہ بے چراغ شہر جلاتا رہا چراغ

جب بھی لکھی غزل میں نے یہ معجزہ ہوا



جو ڈوب رہے ہیں وہی نادار بہت ہیں  
حالانکہ تماشائی بھی اُس پار بہت ہیں

پھولوں کے تبسم بھی پُر اسرار بہت ہیں  
اِس شہر میں پتھر پس دیوار بہت ہیں

سوچوں کے اُفتق پر جیسے لکھتے رہے بے دیں  
ہم اُس کی پرستش میں گرفتار بہت ہیں

بُنیاد ہلاتے ہیں شب و روز گھروں کی  
اِس شہر کی چوکھٹ پہ رضا کار بہت ہیں





میرا فن دور تک پہنچا ہے شاید  
یہ شعلہ طور تک پہنچا ہے شاید

اُجالوں کا سفر نزدیک تر ہے  
اندھیرا نور تک پہنچا ہے شاید

تمنا آگئی میری زباں پر  
یہ شعلہ طور تک پہنچا ہے شاید

ترے دل کا اندھیرا آج عادل  
ہجوم نور تک پہنچا ہے شاید







روزِ جاں سے گزر کر دیکھا  
شہرِ ویراں سے گزر کر دیکھا

بے کراں ہر طرح سے تو ہی ہے  
قریہِ جاں سے گزر کر دیکھا

دل سا ویرانہ کہیں پایا نہیں  
شہرِ ویراں سے گزر کر دیکھا

آج باطل بھی ہوا ہے سرخم  
حدِ فرماں سے گزر کر دیکھا

کوئی بھی خوب نہیں تیرے سوا  
شہرِ خواباں سے گزر کر دیکھا

شورِ ماتمِ کمرہٴ دل میں رہا  
شامِ رقصاں سے گزر کر دیکھا





یہ بات ہے مشہور نشیمن سے قفس تک  
صیاد سے یارانہ رہا چند برس تک

یادوں کا فسوں مجھ پہ مسلط ہوا اتنا  
ناگن کی طرح ڈسنے لگی موجِ نفس تک

صیاد کے بھی شر سے میں محروم ہوا ہوں  
سب کچھ ہوا ہے خاکِ نشیمن سے قفس تک

اب کے مری آہوں کی گھٹا چھائی فلک پر  
مُختہ ہوئی ہے ضبطِ مسلسل سے ہوس تک





اِس زلفِ گرہ گیر سے اب جی نہیں بھرتا

اِس شوخیِ تحریر سے اب جی نہیں بھرتا

اُکتا گیا ہے دل مرا پھولوں کے نگر میں

ہم تیری تصویر سے اب جی نہیں بھرتا

وہ گھاؤ بھی کیا ہے جسے رستا نہ لہو ہو

اِس زخم کی تاثیر سے اب جی نہیں بھرتا

مغرور ہے خنجر سے ٹپکتا ہوا خوں بھی

مقتول کا شمشیر سے اب جی نہیں بھرتا

میں بھول سکا ہی نہیں ہوں اُس کے مکاں کو

اُس خطِ جاگیر سے اب جی نہیں بھرتا

حالانکہ مہکتے ہوئے الفاظ ہیں ہر سو

عادل تری تحریر سے اب جی نہیں بھرتا





آنسوؤں سے کچھ لکھا تھا ریت پر  
 ہائے کس کا دل پڑا تھا ریت پر  
 جانے کس نے کیا پڑھا تھا ریت پر  
 لکھنے والے نے لکھا تھا ریت پر  
 آخرِ شب کیا ہواؤں نے کہا  
 نام تیرا لکھ دیا تھا ریت پر  
 سوچتا ہوں بلے کے نیچے یہ میں  
 ایک کاشانہ بنا تھا ریت پر  
 کر رہی ہیں اس جگہ لہریں وضو  
 جس جگہ سر جھک گیا تھا ریت پر  
 وحشیوں کے نقشِ پا چھوڑے فقط  
 آدمی عادل چلا تھا ریت پر





گھر سے مسجد تک عبادت سب کی  
دیکھتا ہوں میں ریاضت سب کی

عیب میرے کوئی ظاہر کر دے  
چاہتا ہوں میں رقابت سب کی

میں نے مندر تو نے مسجد ڈھادی  
اپنی اپنی ہے سیاست سب کی

ہم نے اک آواز اٹھائی مل کر  
اک کرامت ہے بغاوت سب کی

میکدے میں خوش بہت ہوں عادل  
ایک مستی یاں عبادت سب کی





اے ابر بہار اب کے چھلک اور چھلک اور  
اے غنچہ دل اور بہک اور بہک اور

دل چاہتا ہے دہکی ہوئی آگ کے شعلے  
اے آتش افسردہ بھڑک اور بھڑک اور

خوابوں پہ حکمراں ہے ، حقیقت نہ فسانہ  
اے جلوہ جانانہ جھلک اور جھلک اور

یہ چرخ بریں حد نہیں پرواز کی میری  
آتے ہیں نظر مجھ کو فلک اور فلک اور

جب کوچہ جاناں نے تجھے چھوڑ دیا ہے  
پھر کوچہ دُنیا میں بھٹک اور بھٹک اور

اُٹھنے لگا ہے آتش دل سے دھواں عادل  
اک فرقتِ جاناں میں مٹک اور مٹک اور





بولتی ہے خامشی اب گھر میں  
 ایک منظر ہے پس منظر میں  
 میں تصوّر میں اُسے چھوتا ہوں  
 ایک احساس ملا پیکر میں  
 ایک صورت کو ترستا ہے خیال  
 اک جنوں باقی ابھی ہے سر میں  
 کل میسر تھا جو آسانی سے  
 ڈھونڈتا ہوں آج بحر و بر میں  
 راکھ کا شعلہ ہے بجھ جائے گا  
 کیا ملے گا تجھ کو خشک و تر میں  
 کس کا چہرہ ہے پس آئینہ  
 میرے اندر کوئی اور باہر میں  
 جل نہ جائیں ہونٹ تیرے عادل  
 جام اُس کا ہے تیرے ساغر میں





خواب پلکوں پہ سجا دیتا ہے چپکے چپکے  
کوئی شعلوں کو ہوا دیتا ہے چپکے چپکے

سبز پتوں کو گرا دیتا ہے چپکے چپکے  
پیڑ خود کو بھی سزا دیتا ہے چپکے چپکے

ایک جھونکا بھی جو کوچے سے ترے آتا ہے  
غنجہ دل کو کھلا دیتا ہے چپکے چپکے

زہرِ غم بھی پی لیا ہے تہتہوں کی شکل میں  
یہ پیسہ بھی چھپا دیتا ہے چپکے چپکے

نا خدا نے بھی خدا کو سوپ رکھا ہے مجھے  
کشتی دل کو دعا دیتا ہے چپکے چپکے

زندگی کا خواب ٹوٹے نیند آتے آتے  
وقت گردوں سے گرا دیتا ہے چپکے چپکے

پہلے دیتا ہے خنک لمحوں کی چادرِ عادل  
دھوپ میں مجھ کو جلا دیتا ہے چپکے چپکے





تمنائیں یہاں چپکے ہیں کم کم  
ابھی شیشے میں ہم اترے ہیں کم کم

سمجھوں نے نفرتوں کے بیج بوئے  
محبت کے چمن مہکے ہیں کم کم

وہ جس کا سامنا حاصل تھا میرا  
مگر اب سامنے آتے ہیں کم کم

تیری محفل کا جادو چھایا ہر سو  
وہاں پر ہم مگر آتے ہیں کم کم

گھروندے ریت کے مسمار ہوں گے  
ہواؤں پر ابھی پہرے ہیں کم کم

غنیمت ہے شبِ مہتابِ عادل  
اسی موسم میں ہم ٹھہرے ہیں کم کم





کل قید قفس میں تھا آزاد بہت سوچا  
پھر اپنی اسیری کر کے یاد بہت سوچا

صد حیف ! تماشا سا محفل میں بنا ہوں میں  
مجلس میں سُناتے ہی روداد بہت سوچا

بدنام بہت ہوں میں گلشن کی فضاؤں میں  
اور گنجِ قفس میں تھا صیاد بہت سوچا

کیوں فکر کے جھونکوں کی اس طور حمایت کی !  
آگے ترے قد کے تھا شمشاد بہت سوچا





بات تیرے بس کی ہو، شیشے کو پتھر سے نکال  
گوہر نایاب ہوں مجھ کو سمندر سے نکال

اک تبسم اٹکا ہے ہونٹوں کی سرحد سے پرے  
ان کہے اک لفظ کو حرفِ مکرر سے نکال

گر چمکنا ہے تو چمکوں گا چمک سے اپنی میں  
ایک ٹکڑا کالج کا ہوں مجھ کو گوہر سے نکال

عکس میرا ہے منقش اُس در و دیوار پر  
ایک پس منظر ہوں مجھ کو پیش منظر سے نکال

سو رہا ہوں ریت پر خوابوں کی چادر تان کر  
سلوٹوں کا یہ تسلسل میرے بستر سے نکال





چلتا تو بس ، چمن کی دیوار تک نہ جاتا  
 صیاد ، میں قفس سے گلزار تک نہ جاتا

اے کاش یہ فقیروں کا بھیس کام آتا  
 شاہوں کے پر تکلف دربار تک نہ جاتا

اُس کے تمام جذبوں میں اک نمود سی تھی  
 میرا قصور ہی تھا ، فنکار تک نہ جاتا







زلفوں کے پیچ و خم سے آزاد بھی رہا میں  
اپنی ہی زندگی میں برباد بھی رہا میں

اپنے خلاف اکثر آواز بھی اُٹھائی  
مظلوم بھی رہا میں بیداد بھی رہا میں

دل کے قفس میں میری آواز دب سکی نا  
ناشاد بھی رہا میں اور شاد بھی رہا میں

مشکل میں جان آئی صحنِ چمن میں آ کر  
برباد بھی رہا میں آباد بھی رہا میں

آزاد ہو نہ پایا اپنی ہی قید سے میں  
دل کے قفس کا عادل صیاد بھی رہا میں





مرے دل کی مراد کوئی نہیں  
مرے جیسا بھی شاد کوئی نہیں

برہمن ، شیخ ، حُسن کے چرچے  
قابلِ اعتماد کوئی نہیں

دوستوں کے کرم ہوئے ہیں عام  
اب رقیبوں میں یاد کوئی نہیں

جستجو ہو کہ گفتگو خود سے  
مجھ سا کیا میرے بعد کوئی نہیں

ہے میرا اعتبار تجھ پہ فقط  
اک تیرا اعتقاد کوئی نہیں





بادِ صبا طوفانی ہے میں حیراں ہوں  
کیسی گل افشانی ہے میں حیراں ہوں

باطل کو حق کب تک سمجھیں گے ہم  
کچھ ایسی حیرانی ہے میں حیراں ہوں

دل پر اب میرا زور نہیں چلتا  
یہ دریا طوفانی ہے میں حیراں ہوں

قوسِ قزح ، خوشبو ، یادِ چراغ ، شفق  
شام ہی کچھ مستانی ہے میں حیراں ہوں

آنکھوں نے جس کو دیکھا ہے اکثر  
وہ منظر لا فانی ہے میں حیراں ہوں







تن بدن برف کا جسم و جاں دھوپ کے  
بے نشان منزلیں کارواں دھوپ کے

چاندنی بھی یہاں پر ہے جھلسی ہوئی  
کس نے گاڑے یہاں سائباں دھوپ کے

اب میسر یہاں کوئی سایا نہیں  
ہر طرف ہر جگہ ہیں دکاں دھوپ کے

ہر طرف اجتماعِ ضدیں ہیں یہاں  
ہیں مکیں برف کے اور مکاں دھوپ کے

زندہ رہنے کے آثارِ عنقا ہوئے  
مُجمد برف پر ہے نشان دھوپ کے





یہ مرے جذبات کہتے ہیں کچھ  
شہر کے حالات کہتے ہیں کچھ

ہر طرف افلاس ہی افلاس ہے  
قبلہ حاجات کہتے ہیں کچھ

کیسی فیاضی کہاں کی نیکیاں  
یہ ترے اوقات کہتے ہیں کچھ

شہر جلتا ہے سرد شعلوں میں  
گردِش حالات کہتے ہیں کچھ





غم کی بارش ہوگی شاید

اک آسائش ہوگی شاید

غم بھی حدوں کو چھونے لگا ہے

میری نمائش ہوگی شاید

جان و دل کو اللہ رکھے

اک فرمائش ہوگی شاید

بھیکا موسم آنے لگا پھر

قرب کی بارش ہوگی شاید

یاد کا سورج ڈھلنے لگا ہے

قرب کی خواہش ہوگی شاید

میری خوشامد ہوتی ہے اب

کوئی سازش ہوگی شاید





مہرباں نا مہرباں خاموش ہے  
سر پہ میرے آسماں خاموش ہے

نفرتوں کی دھوپ میں جلتے رہے  
چاہتوں کا سائباں خاموش ہے

اُف ! زباں کی بے زبانی کہہ اُٹھی  
مہرباں نا مہرباں خاموش ہے

چاند سورج اور تارے بچھ گئے  
خواہشوں کا آسماں خاموش ہے





زباں خاموش پتھر بولتے ہیں

مری بستی میں خنجر بولتے ہیں

فضا میں گونجتی آہیں گواہ ہیں

پس منظر مکرر بولتے ہیں

جنوں اک اک زباں سے بولتا ہے

کبھی تن من کبھی سر بولتے ہیں

زمانے آچکے شاید ملن کے

منڈیروں پر کبوتر بولتے ہیں

سکوں کی بات اب کرنا نہ یارو

شرافت سے برادر بولتے ہیں

بدن بھی قلب بھی مجروح عادل

یہ خاموشی کے پتھر بولتے ہیں



اُدھر آسب اکثر بولتا ہے  
اُدھر دن رات اک ڈر بولتا ہے

مسلط مجھ پہ ہے خانہ خرابی  
تصوّر میں کوئی گھر بولتا ہے

سُنائی بھی نہیں دیتا کسی کو  
یہاں سالوں سے منظر بولتا ہے

گھروں میں سہم کے رہ جاتے ہیں سب  
یہاں جس وقت خنجر بولتا ہے

گھٹا جاتا ہے دم منظر کا لیکن  
پس منظر مکرّر بولتا ہے

قلم یوں تو اُٹھایا تو نے عادل  
تری آواز میں ڈر بولتا ہے





ادھر تقریر کی تحریر بھی تحریر سی ہوتی  
ادھر الفاظ کی تفسیر بھی تفسیر سی ہوتی

کہوں کیا بولتا ہے عکس تیرا اب خیالوں میں  
تصوّر میں تری تصویر بھی تصویر سی ہوتی

چمکتے ہیں سرابوں کے سمندر آج اشاروں پر  
نگاہ یار کی تنویر بھی تنویر سی ہوتی

ترے خوابوں کی راہوں سے کہیں میرا گزر ہوتا!  
مرے اس خواب کی تعبیر بھی تعبیر سی ہوتی

تری سوچوں کی اونچائی نے گھر کتنے جلا ڈالے  
کہ تیرے ذہن کی تعمیر بھی تعمیر سی ہوتی

ہوا، بادِ صبا، خوشبو، شکارہ، ڈل، چمن، شبنم  
مرے کشمیر کی تقدیر بھی تقدیر سی ہوتی

گزر رہا ہے گماں کیا کیا ترے اشعار کو پڑھ کر  
میاں! عادل تری تحریر بھی تحریر سی ہوتی



## O

منزلیں بدلیں جہاں بدلا ہے  
 سر پہ میرے آسماں بدلا ہے  
 نکتہ چیں اب شہر میں کوئی نہیں  
 مہرباں نا مہرباں بدلا ہے  
 رہزنوں کے زیرِ سایا آگیا  
 اُف ! امیرِ کارواں بدلا ہے  
 تری دھرتی کا قرض اُترے گا  
 ہم نے بھی اب آسماں بدلا ہے  
 میل کا پتھر مسلسل خاموش  
 منزلوں کا بھی نشان بدلا ہے  
 کرنا ہے تو کر ہوا پر اعتبار  
 نا خدا نے بادباں بدلا ہے



دیکھ آنکھوں میں جگر کے آبلے  
لائے ہیں شیشے میں بھر کے آبلے

باندھ لے رختِ سفر پھر دیکھنا  
پھوٹ جائیں گے یہ ڈر کے آبلے

آنکھ کا پانی نہیں ہیں آنسو  
پھوٹتے ہیں یہ جگر کے آبلے

چاک ہوں گے درد کی سرحد پر  
اک مسافر کے سفر کے آبلے

تری آنکھوں میں پڑیں گے اک روز  
یہ مرے ذوقِ نظر کے آبلے

گریہِ بیہم ، غمِ دل ، رُتجے  
اُف ! حیاتِ مختصر کے آبلے





لکھ گیا کوئی داستان نئی  
جی میں گھبرا رہی ہے جان نئی

برف کے ساتھ دھوپ بکتی ہے  
گھل گئی شہر میں دکان نئی

زخمِ پارینہ وہ گرید گیا  
لکھ گیا ایک داستان نئی

آنکھ سے دل کا حال کہتا ہوں  
بیل گئی ہے مجھے زبان نئی





لمحہ لمحہ وہاں سا کیوں ہے  
خونِ دل میں اُبال سا کیوں ہے

تیری آمد کے ہوتے ہیں چرچے  
ایک اک لمحہ سال سا کیوں ہے

خود ہی اکثر اُبھر کے ڈوبا ہوں  
اس قدر احتمال سا کیوں ہے



○

سورج کی پہلی ہی کرنوں نے  
میرے سائے سے مجھ کو ڈرایا

تاریکی کا پورا باب مجھے  
چپکے چپکے سورج نے پڑھایا

○





ہم تھے خفا جہاں سے ، ہم سے خفا جہاں تھا  
اپنی الگ ڈگر تھی اپنا الگ سماں تھا

وہ بھی تھیں صحبتیں کیا ، وہ بھی تھیں محفلیں کیا  
ہر شاخ ہمنا تھی ہر پھول رازداں تھا





خواب میرا سوچنے میں بٹ گیا  
 حوصلہ اک حوصلے میں بٹ گیا  
 میرا میں مجھ سے جدا کرنے لگا  
 عکس میرا آئینے میں بٹ گیا  
 ذکر میرا داستاں میں نہ سہی  
 کم نہیں ہے حاشے میں بٹ گیا  
 سرحدوں کو روندتا تھا کل جو شخص  
 آج وہ بھی دائرے میں بٹ گیا  
 اُن سے ملنے کا مزا جاتا رہا  
 ذائقہ پھر ذائقے میں بٹ گیا  
 جو نئے ملکوں کی کرتا تھا تلاش  
 سرحدوں کے راستے میں بٹ گیا  
 اپنے شعروں سے نوازا رات بھر  
 میرا سماں قافلے میں بٹ گیا





تلوار کی بھی دھار پہ چلنا پڑا مجھے  
سو بار اپنے سائے سے ڈرنا پڑا مجھے

اس درجہ جگ ہنسائی سے ڈرنا پڑا مجھے  
اپنے ہی قد سے بارہا گھٹنا پڑا مجھے

جو درد اپنے آپ سے اکثر چھپا لیا  
اُس درد کا حساب بھی دینا پڑا مجھے

آتے رہے سفر میں نشیب و فراز بھی  
رکنا پڑا مجھے کبھی چلنا پڑا مجھے

اے دوست تیرے پیار میں کیا کیا نہ سہہ لیا  
جینا پڑا مجھے کبھی مرنا پڑا مجھے

دیوار جب بلند کی ہمسائے نے مرے  
اپنے ہی گھر کی آگ میں جلنا پڑا مجھے

سورج سے التماس کیا ہی نہیں کبھی  
کرنوں کا انتظام بھی کرنا پڑا مجھے

تقسیم کر نہ پائے گا عادل ترا جہاں  
اک گھر کی کائنات میں بٹنا پڑا مجھے





دُشمنوں کا کارواں بنتا گیا  
 سر پہ میرے آسماں بنتا گیا

جانبِ منزل اٹھایا جو قدم  
 دھیرے دھیرے کارواں بنتا گیا

آرزوئیں خواہشیں اور کوششیں  
 تنکا تنکا آشیاں بنتا گیا

دھوپ کی شدت جہاں بڑھتی گئی  
 میرے سر پر سائبان بنتا گیا





ایک دشوار کام کرتے ہیں  
آپ اپنے کو رام کرتے ہیں

کر رہے ہیں ادا نمازِ عشق  
وحشتوں کو امام کرتے ہیں

بات دل کی کہی نہیں جاتی  
آپ کا احترام کرتے ہیں

کل تک جو مرے مخالف تھے  
آج وہ بھی سلام کرتے ہیں

میری کوتاہیاں اُچھالی ہیں  
وہ مرا احترام کرتے ہیں

## O

مل گیا ایک مہربان نیا  
آج سر پر ہے آسمان نیا

کل ہی بدلا تھا یہ مکان نیا  
آج گزرا ہے اک گمان نیا

دل آشفہ تیر کھا کے گرا  
زخم پارینہ ہے نشان نیا

بے کراں کر گئی تلاش تری  
لا مکانی وہی مکان نیا

خون پینے کا لگ گیا چسکا  
نطق و لب کو ہے امتحان نیا

دامنِ دل میں خواہشیں بھر لیں  
رکھ گیا سر پہ سائبان نیا





موسم مہکا مہکا ہے

آتش گل تک دہکا ہے

موسم موسم بہکا ہے

باد صبا تک لہکا ہے

ناچ اٹھا ہے من کا مور

موسم بھیگا بھیگا ہے

موسم نے انگڑائی لی

گلشن گلشن مہکا ہے

بچھڑے طائر پھر لوٹے

پنچھی پنچھی چہکا ہے

قدرت کی بھی آنکھوں میں

بھیگا بھیگا کجرا ہے



سلیقے سے یہاں پر خواب اترے  
سُלקتی آنکھ میں خواب اترے

جہاں خار مَغیلاں کی ہے کثرت  
وہیں پر آبلہ پایاب اترے

میرا کشمیر ولیوں کا ہے مسکن  
فرشتوں کے یہاں آداب اترے

کبھی کنکر کبھی گوہر نکالے  
سمندر میں مگر بے تاب اترے

حقیقت کے کئی پتھر اٹھا کر

خیالوں کے نگر بے خواب اترے



آج لا حاصل سے حاصل نکلے  
پتھروں کے سینے سے دل نکلے

پار اُترنا تھا مری کشتی کو  
بیچ دریاؤں کے ساحل نکلے

بدگمانی دشمنوں سے تھی مجھے  
سازشوں میں یار شامل نکلے

ہم کہ میخانے میں باہوش رہے  
خانقاہوں سے وہ باطل نکلے

شہر میں ہم ہی نہیں ہیں بے دل  
ہم سخن اُن کے کئی دل نکلے

با خدا نکلے خدا کے بندے  
گو صنم خانے سے عادل نکلے



## O

ساغر ساغر روشن روشن

پتھر پتھر روشن روشن

رہبر رہبر روشن روشن

نشر نشر روشن روشن

بستی بستی ویراں ویراں

لشکر لشکر روشن روشن

چہرہ چہرہ بھٹکا بھٹکا

رہبر رہبر روشن روشن

دریا دریا پیاسا پیاسا

ساغر ساغر روشن روشن

گوہر گوہر پھیکا پھیکا

کنکر کنکر روشن روشن

آدم کی پیشانی زخمی  
پتھر پتھر روشن روشن

ویرانی زخموں کی چھائی  
خنجر خنجر روشن روشن

پوجا راون کی ہوتی ہے  
مندر مندر روشن روشن

آنکھیں بینائی کو ترسی  
منظر منظر روشن روشن

یادوں کے میلے ہیں ہر سو  
دفتر دفتر روشن روشن

قطرہ قطرہ آنسو عادل  
گوہر گوہر روشن روشن





حوصلے کا شیشہ پتھر ہو گیا  
ایک قطرہ تھا سمندر ہو گیا

پوچنے آتے ہیں زاہد بھی یہاں  
آج کل دل میرا مندر ہو گیا

چاند اُگتا ہی نہیں پلکوں پر  
آسمان آنکھوں کا بنجر ہو گیا

خواب کی کھڑکی سے جھانکا ہی تھا  
دفعۃً گم ایک منظر ہو گیا

ایک جُبِش آنکھ کو دی اُس نے  
اور جگر کے پار خنجر ہو گیا

اپنے اندر عمر بھر جلتا رہا  
سیپ سے نکلا تو گوہر ہو گیا

رُت جدائی کی سہانی نکلی  
آنسوؤں کا قطرہ گوہر ہو گیا







غموں سے دُور خوشیوں سے پرے میرے ٹھکانے تھے  
تری پلکوں کے نیچے خوبصورت آشیانے تھے

کہاں وہ موسمِ گل اور کہاں یہ دشت کا عالم  
ترے میرے فسانے ہیں، ترے میرے زمانے تھے

کبھی اقرار کی کلیاں ، کبھی انکار کے کانٹے  
رفاقت میں تری گزرے جو، وہ بھی کیا زمانے تھے

اڑا تھا خود بخود یہ طائرِ دل آتشِ گل تک  
یہیں پہ نودمیدہ بال و پر عادلِ جلانے تھے





جو آیا ہاتھ تیرے ، خاک دامن  
کہیں چھوٹا تو ہفت افلاک دامن

چلو اشکوں کا ہی احرام باندھیں  
ہوا ہے آنسوؤں سے پاک دامن

ترے آگے رفو کی آرزو کیا  
ترے پیچھے مرا صد چاک دامن

گلوں کی شاخوں سے صرف عادل  
چنے ہے خار یہ بے باک دامن





کیا لکھا ہے بے زبانوں کی جبیں پر دیکھنا  
گل کھلیں گے پھر سے شعلوں کی زمیں پر دیکھنا

باز کی نظروں میں رہتے ہیں دیارِ غیر میں  
پھر پرندے اڑ کے آئیں گے یہیں پر دیکھنا

سہمے سہمے لوگ گھر کے ، گھر بھی ہے افسردہ  
کیا گزرتی ہے مکاں پر اور مکیں پر دیکھنا

آج اُس نے تیرگی کی بات کی تھی روبرو  
چاند سے روشن ہیں اب اُس کی جبیں پر دیکھنا

گھر کی ہر دیوار گرتی ہے اُسی کے سر پر  
آخرش کیا کیا گزرتی ہے مکیں پر دیکھنا

سنگ دل اتنے نہیں پتھر اٹھانے والے  
بھول بھی برساتیں گے عادل ہمیں پر دیکھنا





توکل ہے خدا پر نا خدا کی بات کرتا ہوں  
سفینے کو ڈبو کر رہنما کی بات کرتا ہوں

فنا اول فنا آخر ، بقا کی بات کرتا ہوں  
بتوں کو پوجتا ہوں اور خدا کی بات کرتا ہوں

ٹنگا ہے خواب کی سولی پہ موسم کا مسیحا بھی  
پلا ہوں دشت میں آب و ہوا کی بات کرتا ہوں

ہے چاروں سمت باد و برق کی یورش مگر دیکھو  
میں کس ماحول میں بادِ صبا کی بات کرتا ہوں

ترے ہاتھوں پہ بھی مہندی رچی ہو ، ہونہیں سکتا  
لہو کے رنگ اُس رنگِ حنا کی بات کرتا ہوں



## نذرِ غالب

کیوں نہ کہوں تیرے بنِ قرار نہیں ہے  
آ کہ مجھے خود پہ اختیار نہیں ہے

دیکھ ! مرے حوصلوں کی ہار نہیں ہے  
آج مجھے آرزوئے یار نہیں ہے

جیت کا دروازہ کھٹکھٹانا بہت ہے  
تیری مری کوششوں کی ہار نہیں ہے

یار کی چوکھٹ پہ اب کے چین ملے نا  
آج بہاروں میں بھی قرار نہیں ہے

کھانے لگے ہو ہر ایک بات پہ قسمیں  
اب تری باتوں کا اعتبار نہیں ہے

کل میں تری جستجو سے ہار گیا تھا  
آج مجھے ترا انتظار نہیں ہے

ہجر کے پتھر سے مجھے پھوڑنا ہے سر  
جاننا ہوں عہد اُستوار نہیں ہے





O

دل کا کیا ہے ملے ملے نہ ملے  
دوستوں میں رہے رہے نہ رہے

منجھد ہوتے ہیں کبھی یہ رواں  
اشک میرے بہے بہے نہ بہے

اُس کے جذبوں میں کشمکش نہ رہی  
بات دل کی کہے کہے نہ کہے

دل کے ویرانے کو چمن کر دیا  
موسمِ گل رہے رہے نہ رہے

تو نے عادل جھکا لیا ہے دل  
اب ترا سر جھکے جھکے نہ جھکے

O



خُدا جانے کناروں سے محبت میں نہیں کرتا  
یقیناً نا خداؤں کی عبادت میں نہیں کرتا

کسی کا سر جھکے ایسی عبادت میں نہیں کرتا  
غریبوں کی فقیروں کی سخاوت میں نہیں کرتا

ڈبوتا ہوں قلم ساغر میں اور مستی میں لکھتا ہوں  
لہو سے جذبہ دل کی عبارت میں نہیں کرتا

نصیبوں پہ جھپٹتا ہوں ، لکیروں سے الجھتا ہوں  
حریفوں سے رقیبوں سے عداوت میں نہیں کرتا

کہیں پہ سر جھکاؤں کیوں، کسی کے ناز اٹھاؤں کیوں  
زمانے کے خداؤں کی عبادت میں نہیں کرتا

گزر جاتا ہوں ہنستا کھیلتا طوفان سے عادل  
سمندر میں سفینے کی حفاظت میں نہیں کرتا



خامشی ایسی کہ سُن سکتے نہیں فریاد بھی  
زندگی کے جال میں ہوں قید بھی آزاد بھی

پھاڑ سکتا ہوں گریباں ، کاٹ سکتا ہوں پہاڑ  
ہے دلِ ناکام عاشق ، قیس بھی فرہاد بھی

رات جو تاریک ہے تو صبح بھی نزدیک ہے  
زندگی سے کیا گلہ ، ہوں شاد بھی ناشاد بھی

نالہ کش طائر بھی ہے اور مہکتے ہیں پھول بھی  
میرے دل کا گلستاں برباد بھی آباد بھی







یہ ملنساری بھی لگتی ہے مسیحائی سی  
تو نہیں تو ہوتی ہے محسوس تنہائی سی

ہم جو اظہارِ تمنا کرتے تو کیا ہوتا  
آج ہم سے پھر ہوئی ہے تھوڑی دانائی سی

سوچتا تھا دل کے صحرا میں کھلے ہیں پھول کیوں  
آج وہ بھی شرم کے مارے ہے شرمائی سی



## دادی اماں کے وصال پر

دیکھوں نصیحتوں کے ہی سائے شجر شجر  
روشن ہے شام شام درختاں سحر سحر

صبحِ دوامِ زندگی آخر عطا ہوئی  
منزل ملی ہے تجھ کو جو چھوٹی ہے رہگذر

تیرے وصال پر میری دُنیا تھی اس طرح  
تارے اُداس چاند کا بھی چاک تھا جگر

وہ آسمانِ دل پہ ہے مہتاب کی طرح  
وہ میرے ساتھ ہی رہے عادل سفر سفر





نکالے میں نے لفظوں کے ہیں گوہر  
تخیل کی ندی کا ہوں رشاد

ہوا بچ کر نکل جاتی ہے اکثر  
کھلا کیا ایک صحرا میں گل تر

کبھی تم دیکھنے آجا ہمیں بھی  
سمٹ کر رہ گئے خوابوں کے شہیر

لگا ہوں تولنے پھولوں میں سب کو  
بنا ہے جب سے رہبر اک سمن بر

طلب تھی موت کی ہر چند اُن کو  
ملے ہیں مجھ سے یہ کیسے سکندر

سدا دیکھے ہیں تو نے خواب عادل  
یہ کیوں! کانٹوں بھرا ہے تیرا بستر





یاد آگئیں ہیں قرب کی رعنائیاں مجھے  
آواز دیتی رہ گئیں تنہائیاں مجھے

صحرا سراب پیاس یہی تو ہے زندگی  
شہزور کرگئیں میری پسائیاں مجھے

اب اعتبار کر نہ سکوں گا میں عقل پر  
دیوانہ کرگئیں میری دانائیاں مجھے

بیتی ہوئی بہار پلٹتی ہے صاحبو !  
جب چھیڑتی ہیں یاد کی پُروائیاں مجھے





مری نظر تجھ پہ تیری کس پر، ہوا ہے تو میرے یار کس کا  
یہ بے قراری ہے کس لئے اور یہ دیدہ اشکبار کس کا

یہ کیسی خواہش تڑپ رہی ہے تیری نگاہوں میں لمحہ لمحہ  
غمِ محبت میں لٹ گیا ہے شکیب و صبر و قرار کس کا

یہ کون مرتا ہے لمحہ لمحہ یہ کون ہے دفنِ زندگی میں  
نشانِ تربت کہیں نہیں ہے قدم قدم پر مزار کس کا

سمجھوں نے آواز دی تھی اُس کو جو تیرے کوچے کی اور نکلا  
طوافِ دشتِ جنوں کو آخر گیا ہے عادلِ غبار کس کا





جب تمہارا ہی آستاں نہ رہا  
میرے سر پر بھی آستاں نہ رہا

تو اگر مجھ پہ مہرباں نہ رہا  
میں بھی پھر تجھ سے بدگماں نہ رہا

اب کہ طوفان تھم گیا ہے مگر  
میری کشتی کا بادباں نہ رہا

مہرباں اس قدر ہوا صیاد  
آشیاں میرا آشیاں نہ رہا

دُوریاں مٹ گئیں ہیں عادل تمام  
فاصلہ کوئی درمیاں نہ رہا





اُن کا ہی اختیار ہے آج کل  
شہر شہر اشتہار ہے آج کل

سُکھ کی چھاؤں نصیب میں اب کہاں  
دُکھ تو مشتاق و یار ہے آج کل

کھو گیا ہوں جہان کی بھیڑ میں  
اپنا ہی انتظار ہے آج کل

بوجھ سے دب رہا ہے اب آدمی  
اک جنوں ہی سوار ہے آج کل





کیا ہوا ہے ایک مشتِ خاک سے  
گھوم کے آیا ہے ہفت افلاک سے

سیکھ لو جینا دلِ غمناک سے  
حوصلہ لو دامنِ صد چاک سے

ماتمی ہے کیوں چمن کا پھول پھول  
پوچھ لینا تو گلِ صد چاک سے

خاک ہونے پر بھی تیرا نام لے  
یہ توقع تھی دلِ بے باک سے

یہ چمن ہے رشکِ فردوسِ بریں !!  
اٹھ ، اٹھا پردہ دلِ صد چاک سے

اپنے دامن میں چھپائے حشر میں !!  
یہ توقع ہے شہرہ لولاک ہے

صبر سے بھی کام عادل لے ذرا  
پھاند لینا یہ حدیں ادراک سے







شبنم کو ہے مزاجِ برگِ شجر کی خواہش  
خورشید کو نمودِ وقتِ سحر کی خواہش

محروم ہو گئے ہیں ہوش و حواس سے بھی  
مدّت سے تھی متاعِ فکر و نظر کی خواہش

کب تک مری دُعا ئیں یوں بے اثر رہیں گی  
اس دل کو ہے فرازِ بابِ اثر کی خواہش

سارا چمنِ فسوں ہے اک دید ہی کا عادل  
پھولوں کو ہے نمودِ خونِ جگر کی خواہش





نالہ چُپ ہے اور دُعا خاموش ہے  
میں بکھرتا ہوں خُدا خاموش ہے

یہ عمارت دل کی اُجڑی کس طرح  
آندھیاں چُپ ہیں ہوا خاموش ہے

حالِ دل ہی بن گیا ہے اب دُعا  
ہونٹ ہیں بند التجا خاموش ہے

آگ برسائے گی میری اک دُعا  
بے وفا میری وفا خاموش ہے

سوکتی جاتی ہیں دل کی کھیتیاں  
قرب کی آب و ہوا خاموش ہے



یہ شب و روز بھی وہاں رہے  
منتظر تیرے ماہ سال رہے

فرصتِ کاروبارِ شوق نہیں  
دل میں رعنائیِ خیال رہے

خوف سے سب لرز اُٹھے ہیں یہاں  
شیر بھی مانندِ غزال رہے

نور آنکھوں میں جب تک باقی  
ذوقِ نظارۂ جمال رہے

حسرتِ دل کا داغ ہے روشن  
کچھ نہیں تو یہ انفعال رہے







پہنچتا جائے کنارے پر سفینہ کس لئے  
 نا خدا ! تجھ کو لبِ دریا پکارا کس لئے

تیری یادوں کے جزیرے اب تک پُر آب تھے  
 آج تجھ کو دیکھ کر سیلاب اُترا کس لئے

کشتی دل ڈوب جائے گی لبِ دریا کہیں  
 خامشی چھائی ہوئی ہے بچ دریا کس لئے

تو لبِ بام آئے زلفوں کا گھنا سایہ لئے  
 چلچلاتی دھوپ میں جیون گزارا کس لئے





توحہ خواں میرے ہم زباں چپ رہو  
 میں سناؤں گا داستاں چپ رہو  
 بادلوں کی گرج سے کیوں ڈر گیا ؟  
 جل رہا ہوگا آشیاں چپ رہو  
 گھس گیا دیکھ میرے سجدوں سے ہی  
 یہ ترا سنگِ آستاں چپ رہو  
 بھید دل کے نہ کھول یاں اس طرح  
 کون ہے تیرا رازداں چپ رہو  
 داستاں وفا مجھے مت سنا  
 میرے منہ میں بھی ہے زباں چپ رہو  
 درد کے دشت میں میرے ہمسفر ! !  
 کون کس کا ہے پاسباں چپ رہو  
 داستاں شبِ وصال اور ہے  
 کوئی شب بھی ہے درمیاں چپ رہو



پھول کیا لے گا چمن کا امتحاں  
قیس لے گا کوہ کن کا امتحاں

دیکھئے نا اہل لوگوں کا جگر  
لیتے ہیں اہل سُخن کا امتحاں

ہاتھ میں پتھر اٹھا کر ، لیجئے  
آج قیس و کوہ کن کا امتحاں

زلفِ شب میں چھپ کے لینا ہے مجھے  
تابِ زلفِ پر شکن کا امتحاں

بچ کے رہنا کچھ گلوں سے ان دنوں  
آگیا اہل چمن کا امتحاں







میں رواں آب پر رُکا تنہا  
تم سے بچھڑا بھی اور گیا تنہا

اب ہواؤں کا منتظر ہوں میں  
ریت پر میرا گھر سجا تنہا

بزمِ اغیار ہو مبارک تجھے  
میں ہی تجھ سے جدا ہوا تنہا

سب کی بگڑی تو بن گئی عا دل  
لوٹ آئی تری دُعا تنہا





چُپ رہے عرضِ حال سے چھوٹے  
آج کل ہم سوال سے چھوٹے

تیری اُلفت کی جال سے چھوٹے  
ایک کارِ محال سے چھوٹے

رات بھر خواب آئے تھے اس طرح  
اپنے ہی ہم خیال سے چھوٹے

وصل کی رُت میں منتظر ہیں ترے  
ہائے عہدِ وصال سے چھوٹے

عشق کی آگ سے بجھائیں پیاس  
ہائے فکرِ مآل سے چھوٹے





اک حال بے نوا ہی اب التجا ہوا ہے  
میں نے کہا نہیں جو ، لب آشنا ہوا ہے

یارب مرا سفینہ اب پار تو لگا دے  
کشتی ڈبونے والا ہی نا خدا ہوا ہے

یوں بھی ستم ہوا ہے ، یوں بھی کرم ہوا ہے  
جور و جفا کے خالق مہر و وفا ہوا ہے !

ہوش و حواس دونوں کے ہو گئے ہیں رخصت  
جب بھی رقیب سے میرا سامنا ہوا ہے

شاید کہ مہرباں ہے تقدیر میری مجھ پر  
درد و الم بھی اکثر راحت فزا ہوا ہے







سوئی آنکھوں میں خواب مجھے دے دے دو  
کوئی بحرِ پایاب مجھے دے دے دو

کب تجھ سے راحت کی سانس مانگیں  
میرے ہتھے کا عذاب مجھے دے دے دو

کھڑکی کی اوٹ سے نکل دو بارہ  
پیلا پیلا مہتاب مجھے دے دے دو

اتنی تحریریں پڑھ کر کیا حاصل  
اپنے چہرے کی کتاب مجھے دے دے دو

میری نظروں سے ٹپکتے ہیں ارماں  
چند سلگتے ہوئے خواب مجھے دے دے دو

اشعار کہیں رسوا نہ کریں عادل  
میرے چہرے کا نقاب مجھے دے دے دو



میری آنکھوں کا خواب مجھے دے دو  
وہ تھرکتا سا مہتاب مجھے دے دو

میں اپنے ہتھ کی چمک سے چمکوں  
کوئی گوہر نایاب مجھے دے دو

میری مہکتی سانسیں تجھ پہ نچھاور  
ایک تر و تازہ گلاب مجھے دے دو

آنے والی صدیوں کا ہو جاؤں  
دل کے کھنڈر کو محراب مجھے دے دو

کلیاں ، خوشبو ، پریت ، گھاٹی ، جھرنے  
خوابوں کا اک محراب مجھے دے دو

تیری آنکھیں نہ چھلک جائیں ہدم



بوٹا بوٹا ہے پات کے بر خلاف  
 ذرد پتے کی ذات کے بر خلاف

ترجمان کس کی ہے میری شاعری  
 میں نے لکھا ہے ذات کے بر خلاف

صبح کے نور کو کہیں ڈھونڈیں  
 آؤ ڈٹ جائیں رات کے بر خلاف

جیت کی کس کڑی میں پیوست ہوا  
 ہار کر بھی ہوں مات کے بر خلاف

اُنکلیوں میں ہنر کی خوشبو ہے  
 کام کربتا ہوں ہات کے بر خلاف

خود سے لڑنے کا بھی ہنر آگیا  
 ہاتھ اٹھا ، اپنے ہات کے بر خلاف

بن نہ پایا کسی کا میں ترجمان  
 بات کرتا ہوں بات کے بر خلاف





دل ہی بدلا یترے جانے کے بعد  
خود سے بچھڑا یترے جانے کے بعد

آتشِ گل سے بھی ہوں خوف زدہ  
شعلہ بھڑکا یترے جانے کے بعد

پھر نہ برسات ہوئی دل میں مرے  
مور ترسایتے جانے کے بعد

اشک تھا پہلے بھی میری آنکھ میں  
خون چھلکا یترے جانے کے بعد

شہر دل ویران کس نے کر دیا !  
کون آیا یترے جانے کے بعد





دشت سے آئی ہوئی ہے خامشی  
شہر کو بھائی ہوئی ہے خامشی

ناچتی ہے کن اشاروں پر بھلا  
ہر طرف چھائی ہوئی ہے خامشی

بولنا پھر راس کیوں آتا مجھے  
جب اُسے بھائی ہوئی ہے خامشی

آج کل اپنی زباں کے دشت پر  
ہم نے خود لائی ہوئی ہے خامشی

لگ گئی چپ سی یہاں پر ہر طرف  
کس کی برسائی ہوئی ہے خامشی

کپکپاتے ہونٹ عادل بول اُٹھے  
کس کی ترسائی ہوئی ہے خامشی





مہرباں نا مہرباں باقی نہیں  
کارواں در کارواں باقی نہیں

چھوٹی جاتی ہے پیروں سے زمیں  
اور سر پر آسماں باقی نہیں

اب شکایت بھی کسی سے کیا کریں  
بدگمانی کا گماں باقی نہیں

مٹ گئے ہیں تیرے قدموں کے نقوش  
اب زمیں پر کہکشاں باقی نہیں

خون اُگلے جا رہے ہیں گل تمام  
اب چمن میں گلستاں باقی نہیں

صاحبو اب میری رہہ تکتے رہو  
قافلے اور کارواں باقی نہیں

لفظ تیرا ساتھ بھی دیتے نہیں  
میرے منہ میں بھی زباں باقی نہیں





پھر ہوا اشتہار لے آئی  
ایک مُشتِ غبار لے آئی

پھر سے سرسبز موسموں کی خبر  
دل میں صبر و قرار لے آئی

لمس کے بعد دل پہ کیا بتی  
رنگ پھر سے بہار لے آئی

پھر دھنک رنگ میں کمی سی تھی  
پھر شفق انتظار لے آئی





سبھی رسموں کو توڑتا ماہتاب  
دل کے دریا میں ڈوبتا ماہتاب

دل کی دُنیا میں روشنی ہوتی  
کھڑکیاں اپنی کھولتا ماہتاب

بجھ گئے کیوں چراغ قربت کے  
دو گھڑی آج سوچتا ماہتاب

ناچتا تھا میرے اشاروں پر  
میرے بچپن کا گھومتا ماہتاب





ان ہواؤں میں سرکشی کیوں ہے  
موت نے لائی زندگی کیوں ہے

عینِ دریا ہے زندگی پیاسی  
چشمِ ساقی میں تشنگی کیوں ہے

یہ بھی رنگ اک ہے بے وفا تیرا  
تیری آنکھوں میں یہ نمی کیوں ہے

چشمِ پُرْنَم سے پوچھنا ہوگا  
بے بسی کیا ہے بے کسی کیوں ہے







میری کہانی شرمندہ ہے  
سب کی زبانی شرمندہ ہے

دن کی نشانی شرمندہ ہے  
رات سہانی شرمندہ ہے

بکتے ہیں موتی بے مول بھی  
آنکھ کا پانی شرمندہ ہے

دشمن بھی شرمسار ہوا ہے  
یارِ جانی شرمندہ ہے

حرفِ وفا پر کر نہ بھروسہ  
لفظ کا معانی شرمندہ ہے

خواب کی دلہن روٹھی روٹھی  
نیند کی رانی شرمندہ ہے

پوری پیڑی غم میں ڈوبی  
ساری جوانی شرمندہ ہے

خود بھی شرمسار ہوا عادل  
تیرا ثانی شرمندہ ہے



پار	روٹھا	مگر	سر	دریا
رنگ	برسا	مگر	سر	دریا

کاش	آنکھوں	میں	دیکھتا	آنسو
ابر	برسا	مگر	سر	دریا

آگ	آفت	کی	لگتے	ہی	بجھ	گئی
شعلہ	بھڑکا	مگر	سر	دریا		

اُس	کا	جی	جل	گیا	تھا	برسات	میں
مور	ترسا	مگر	سر	دریا			

آنکھ	ساحل	پہ	چھوڑ	آئے	ہم
چاند	نکلا	مگر	سر	دریا	

پیاں	صحرا	کی	بجھ	نہیں	پائی
پانی	برسا	مگر	سر	دریا	





آج کل رفتار سانسوں کی عجب  
صورتیں میرے بیانوں کی عجب

دوست دیکھتے ہیں مجھے ، دشمن بھی  
خوش اندامی میری آنکھوں کی عجب

بیچ وہ بارود کے بونے لگے  
مہک گلشن کے گلابوں کی عجب

چھ رہی ہے اب قلم کی نوک بھی  
آگ اُگلے ہیں کتابوں کی عجب

جل رہا ہے تن بدن چھایا تلے  
چھاؤں عادل شامیانوں کی عجب







تری رگ رگ میں دھڑکنا چاہوں  
 قید سے دل کی نکلتا چاہوں

اس لئے کانٹوں سے الجھوں ہر گھڑی  
 پھول کی مانند نکھرنا چاہوں

میں سمیٹے جا رہا ہوں خود کو  
 اور سمیٹتے ہی بکھرنا چاہوں

اب گلوں کے زخم سہہ سکتا نہیں  
 خار ہوں یا گل کچلنا چاہوں

تھام رکھا ہے عزیزوں نے مجھے  
 دو گھڑی عادل سنبھلنا چاہوں





خود کشی سی وہاں کرے تشنگی  
خون پی کر یہاں پلے تشنگی

رفتہ رفتہ سبوں کی پیاس بجھی  
ہم سمندر سے لے چلے تشنگی

گل برگ سا وہ ہونٹ جو دیکھوں  
ان لبوں پر پلے بڑے تشنگی

اک سمندر میری پناہوں میں  
مری خاطر مگر رُکے تشنگی





گلستاں میں قیام کس کا ہے  
آگ اٹھانا پیام کس کا ہے

چشم خواب پوچھتی ہے کیا ؟  
تیرے ساغر میں جام کس کا ہے

نقش پا بہکے بہکے کس کے ہیں  
تیرے دل میں مقام کس کا ہے

تیری فرقت میں رو رہا ہے رقیب  
کون کرتا ہے کام کس کا ہے

دل بھی مقبوضہ شہر سے کم نہیں  
آخرش یاں نظام کس کا ہے





تیرے رُخ پہ شکن آئی ہوئی ہے  
گل تر کی مسیحائی ہوئی ہے

اُداسی نا اُمیدی نا رسائی  
دُعاؤں کی پذیرائی ہوئی ہے

سیاست فصلِ گل کی راس آئی  
بہاروں کی بھی شنوائی ہوئی ہے

چمن ویراں پیشیاں موسمِ گل  
گلوں کی آنکھ شرمائی ہوئی ہے





خواب کی تکمیل کرتا ہوں میں  
رات دن شعلوں پہ چلتا ہوں میں

خون سے الفاظ دھوتا ہوں میں  
پیکروں میں رنگ بھرتا ہوں میں

نازکی سے خوف کھاتا ہوں میں  
سنگ ہوں شیشے سے ڈرتا ہوں میں

پہنچ کر منزل پہ ہی دم لوں گا  
لڑکھڑاتا اور سنبھلتا ہوں میں

آج کل جذبات کے دریا میں  
کس فراوانی سے بہتا ہوں میں





مرا روٹھا مقدر بھیج دینا  
سپاہی کو سکندر بھیج دینا

الہی دشمنوں میں آگرا ہوں  
ابابیلوں کا لشکر بھیج دینا

سیاہی چھائی ہے دل کے افق پر  
بجھی آنکھوں کو منظر بھیج دینا

مرے زخموں کی سوزش کم پڑی ہے  
کسی کے ہاتھ پتھر بھیج دینا

قلم سے لڑ رہا ہوں جنگ عادل  
نہ میرے ہاتھ خنجر بھیج دینا







خوبصورت ارض کی تصویر ہے  
ہر نگہ میں وادی کشمیر ہے

حُسنِ بے پروا میں کیا تاثیر ہے  
دلکشی ایسی بھی کیا زنجیر ہے

اولیاء ہیں دفن اس کی خاک میں  
صوفیوں ولیوں کی یہ جاگیر ہے

تتلیوں کا رقص کلیوں کا سرور  
خاک میں اس کی عجب تاثیر ہے





ہے خوشی پر غموں کے دفتر میں ہوں  
میں اکیلا نہیں ہوں لشکر میں ہوں

تشنگی میری کون بھانپے یہاں  
سب کو معلوم ہے سمندر میں ہوں

ہاتھ کی ریکھا کیا مٹا پاؤ گے  
سچ تو یہ ہے ترے مقدر میں ہوں

تجربوں سے مرے بھی کچھ سیکھ لو  
کہ گئے وقت کا سکندر میں ہوں

جن کی پرواز آسماں سی بلند  
ایسے ہی طاروں کے شہپر میں ہوں



ویران جنگلوں میں پلا ہوں غلط نہیں  
میں صورتِ غزال جیا ہوں غلط نہیں

پوچھو نہ کس طرح میں ہوا ہوں چمن نصیب  
یہ دیکھ کس جگہ میں کھلا ہوں غلط نہیں

یہ بھی ہے سچ کہ پاؤں میرے ہیں لہو لہان  
کانٹوں پہ گام گام چلا ہوں غلط نہیں

اس چاندنی نے مجھ کو جھلس بھی لیا اکثر  
میں اپنی آگ ہی میں جلا ہوں غلط نہیں







وہی اک رُت پرانی یاد آئی  
کسی گل کی جوانی یاد آئی

نئے موسم مجھے کیوں راس آتے  
پرانی رُت پرانی یاد آئی

خرابے میں تزلزل کی فضا ئیں  
سُہانے دن سہانی یاد آئی

جو دیکھا پتھروں کو بھی پگھلتے  
کسی کی بدگمانی یاد آئی

مرے نغمے تیرے ہونٹوں پہ عادل  
وہ تیری ترجمانی یاد آئی





شاخِ گل پر قیام میرا ہے  
سبز پتوں پہ نام میرا ہے

موسمِ گلِ کلام میرا ہے  
خار و خس تک پیام میرا ہے

آنکھ جل جائے گی نظر نہ ملا  
اُن نگاہوں میں جام میرا ہے

کس نے بے پرکی یہ اڑائی ہے  
تیرے دل میں مقام میرا ہے





بس تو ہی ترجمان میرا ہے  
ہاں زمین و زمان میرا ہے

پیڑ میں نے اُکھاڑ کے پھینکے  
اب کہاں سائبان میرا ہے

گل یہاں آگ ہی اُٹھاتے ہیں  
یہ قفس گلستان میرا ہے

چاند سورج ستارے اور کہکشاں  
آج کل آسمان میرا ہے

دل کی اور سر جھکا لیا عادل  
یہ مکاں لا مکان میرا ہے







یہ جنوں ہے کہ کیا ہے کیا کہیئے  
دل جو ہنگامہ زا ہے کیا کہیئے

ہوش میں دل نہ ہوش میں ہے جگر  
کون مجھ سے خفا ہے کیا کہیئے

ناز و انداز ابتدا کے ہیں  
عشق کی انتہا ہے کیا کہیئے

جو مسلتا ہے پھول پیروں سے  
دل اُسی نے لیا ہے کیا کہیئے





یوں خون سر عام بہا بھی نہیں سکتے  
فرہاد ہیں اور تیشہ اٹھا بھی نہیں سکتے

آسیب زدہ شہر میں کیا ہوگا اُجالا  
مہر و مہہ و انجم کو بجھا بھی نہیں سکتے

خود دیکھ سکو ، روزِ زنداں سے تو دیکھو  
اس شہر کی روداد سنا بھی نہیں سکتے

قسمت کی لکیروں سے لرزتے ہیں دل و جاں  
ہم ہاتھ تری اور بڑھا بھی نہیں سکتے





دوستی یاری آشنائی سنبھال  
اس خزانہ کی پائی پائی سنبھال

تخم خواہش دل میں بویا کس نے ؟  
مجھ کو میری شکستہ پائی سنبھال

آپ سے اپنے روٹھ جانا کیا  
ایک بندہ ہے تو خدائی سنبھال

یہ تو دل کی صدف میں موتی ہوئے  
اشک ہیں آنکھ میں کمائی سنبھال







کام کا مال و زر نہیں ہوتا  
پاس جب دل جگر نہیں ہوتا

چاند روشن بھی ہو فلک پر  
سب کی رہ میں قمر نہیں ہوتا

یاد رکھ لو سفر سے پہلے تم  
دشت میں ہم سفر نہیں ہوتا

آسمان تب ہی چھونا آتا ہے  
جب زمیں پر گذر نہیں ہوتا

اینٹ گارے کے اس جہاں میں بھی  
سب کی قسمت میں گھر نہیں ہوتا





وقت نے بُن لیا یہ کیسا جال  
کتنے بھاری ہوئے ہیں یہ ماہ و سال

خون اپنا ہی پی رہا ہوں میں  
اسلئے بھی ہوئی زباں ہے لال

آج جذبوں کی قحط سالی ہے  
خط بہت آئے تھے ترے پر سال

سب پہ ظاہر ہوئی مری حالت  
شوق نے آخرش کیا پامال

دوستی اور دشمنی کے بیچ  
ایک مدت سے بن رہا ہوں ڈھال





میں درونِ خانہ کس اونچائی سے گرتا ہوں  
ایک پُر شور ندی ہوں جسم میں بہتا ہوں

اُن دنوں وصل کی شب پھولوں سے مہکی اکثر  
آج کل میں آتشِ گل سے مگر جلتا ہوں

مسکراہٹ تیری معنی خیز ہو سکتی ہے  
خار تو خار ہیں گلوں کی آگ سے ڈرتا ہوں







قند میرا ہے شکر میرا ہے  
تیری باتوں میں اثر میرا ہے

ہر کسی کے ہاتھ میں ہے پتھر  
ان دنوں سینہ سپر میرا ہے

ٹوٹتے تارے میں نے دیکھے ہیں  
جی رہا ہوں یہ جگر میرا ہے

بھیگتے ہیں بند کمرے کیسے  
پتھروں کا ایک گھر میرا ہے

چلچلاتی دھوپ میں بیٹھا ہوں  
سایا میرا ہے شجر میرا ہے

یاں سراہوں نے سمندر پی لئے  
کس قدر مشکل سفر میرا ہے

خونِ دل سے سینچتا ہوں لفظ لفظ  
آج کل زخمِ ہنر میرا ہے

منزلیں بے سمت عادل ہیں میری  
راہزن ہی راہبر میرا ہے





ایک قطرہ ہوں سمندر سے مجھے ملنا ہے  
دُور جس سے ہوں اُسی گھر سے مجھے ملنا ہے

ٹوٹ جانے کی مرے دل میں بہت خواہش ہے  
کانچ ہوں میں اور پتھر سے مجھے ملنا ہے

ایک بس عزم کی دولت ہے مرے پاس فقط  
سنگ ریزہ ہوں میں گوہر سے مجھے ملنا ہے

جل رہا ہے سرحدِ اُمید پر اب تک چراغ  
ایک سپاہی ہوں میں لشکر سے مجھے ملنا ہے

ڈالتا ہوں میں ستاروں پر کمندیں عادل  
اک نہ اک دن ماہِ پیکر سے سے مجھے ملنا ہے





O

ٹوٹے دل سے سسکیاں نکلیں  
غم کے دریا سے مچھلیاں نکلیں

خواب آنکھوں سے لے گیا کوئی  
بند مٹھیوں سے تتلیاں نکلیں

روح کی کھڑکیوں سے جب جھانکا  
دل سے آنکھوں کی پتلیاں نکلیں

یاد میری اُسے ستاتی رہی  
سوکھے دریا سے مچھلیاں نکلیں

اس طرح وہ نکل گیا دل سے  
جیسے گلشن سے تتلیاں نکلیں

O



دل کے ٹکڑوں کو جوڑنے نہ دیا  
ہم کو دُنیا نے سوچنے نہ دیا

لذتوں کی ندی عجب نکلی  
غم کی کشتی کو ڈوبنے نہ دیا

مائل گفتگو تھی دل کی زباں  
تیری آہٹ نے بولنے نہ دیا

فطرتاً اس قدر غیور ہوں میں  
تجھ کو تجھ سے بھی مانگنے نہ دیا

گھر کے شور و نشور نے عادل  
خامشی کو بھی تولنے نہ دیا





ایک خانہ خراب ہے آگے

شہرِ دل زیرِ آب ہے آگے

قطرۂ آب کو غنیمت جان

ہر قدم اک سراب ہے آگے

ان اندھیروں کو زیر کر لو گے

ماہتاب آفتاب ہے آگے

آنکھ میں پالتے رہو سنے

ہر حقیقت سراب ہے آگے

زندگی کے سوال کا عادل

بے مروت جواب ہے آگے







لشکرِ غم منہ دکھانے آ گیا  
بے سہارا سر چھپانے آ گیا

موسم گل گلستاں سے ہے خفا  
آتشِ گل دل جلانے آ گیا

آنکھ میں مستی لئے دل میں کٹار  
خواب پلکوں پر سجانے آ گیا

سُرخ چہروں پر اُداسی چھاگئی  
موسم گل گل کھلانے آ گیا

جی پہ غم لشکر کشی کرتا رہا  
دوستِ دل سر کھپانے آ گیا



اب پلاتے ہیں لہو خاروں کو  
آگ پھولوں کو پلائی جاتی ہے

اب قسم کوئی نہ توڑی جائے گی  
یہ قسم ہر روز کھائی جاتی ہے

جل بجھی ہیں عاشقوں کی بستیاں  
آگ دل کی کیا دبائی جاتی ہے

خود سری کا جانتا ہے جو ہنر  
اُس کی ہی گردن دبائی جاتی ہے

خار بھی مشکل سے اُگتے تھے جہاں  
اب وہاں خوشبو بسائی جاتی ہے

جس میں عادل سچ کی ہوں پرچھائیاں  
ایسی تحریریں جلائی جاتی ہیں



حوصلے میرے کام آنے لگے  
 ذہن و دل احتجاج کرنے لگے

زہد و تقویٰ کی بات مت کر یہاں  
 کانپتے ہاتھ جام اٹھانے لگے

یہ کھکتے ہیں سب دھڑکتے نہیں  
 یہ نئے حوصلے پرانے لگے

جل گئے کس طرح وفا کے چراغ  
 جو چمکتے نہیں چمکنے لگے

آبشاروں میں گھولتا ہے لہو  
 غم کے موسم تجھے سہانے لگے







آرزو کے دشت میں پھر قافلے رُکنے لگے  
پھر مرے دشمن مرے ہر خواب سے ڈرنے لگے

اس قدر کاری ہوئے جاتے ہیں پھولوں کے گھاؤ  
کانچ کے دل پتھروں کی جستجو کرنے لگے

دستکیں دینے لگیں آنکھوں پہ پریاں نیند کی  
میرے خوابوں کی زمیں پر وہ قدم رکھنے لگے

بھگیٹی آنکھوں کے تارے تھے کہ تھی شبنم کی موج  
محفلوں میں لوگ جس کو شوق سے چھونے لگے





دوستی اس کی رقابت کی طرح  
 اور عداوت ہے محبت کی طرح  
 اک نظر جو تھی عداوت کی طرح  
 پڑ گئی مجھ پہ عنایت کی طرح  
 لفظ کی پاکیزگی مت پوچھئے  
 شعر کہتا ہوں عبادت کی طرح  
 خونِ دل سے میں وضو کرتا ہوں  
 شعر پڑھتا ہوں تلاوت کی طرح  
 تیرے ماتھے کی شکن کہہ بیٹھی  
 دوستی کر لی رقابت کی طرح  
 لا مکانی ہے مکاں کی جستجو  
 روز و شب گزرے ہیں ہجرت کی طرح  
 کر رہا ہے رتجگوں کا وہ حساب  
 اُس کی اُلفت ہے تجارت کی طرح  
 مسکرا کر ہاتھ کھینچا یار نے  
 مل گئی نفرت ، محبت کی طرح



تیرے سینے میں مچلتا کیا ہے  
تو میرے ہونٹوں کو سلتا کیا ہے

بجھ چکا ہوں سر سے پاؤں تک میں  
یہ مرے پہلو میں جلتا کیا ہے

بھول کر خود کو تجھے پاتا ہوں  
بے خودی میں اور ملتا کیا ہے

کچھ سنبھل کر رکھ قدم زیرِ فلک  
یوں میری چھاتی پہ چلتا کیا ہے

کون پیتا ہے رگ و پے سے لہو  
آستیں میں میری پلتا کیا ہے





غم تری فرقت کا آخر سہہ گیا  
دل کے کوزے میں سمندر رہ گیا

دوستوں کی بھیڑ ہے باہر مگر  
میرے اندر ایک بس میں رہ گیا

پیار کی اک بوند برسا کر بھی دیکھ  
نفرتوں کا ایک دریا بہہ گیا

خامشی باہر کی معنی خیز ہے  
میرے اندر اک سمندر بہہ گیا





یاد وہ بار بار آتا رہا  
دل کی جانب شرار آتا رہا

جس کی فرقت کا کچھ شمار نہیں  
یاد وہ بے شمار آتا رہا

پیڑ جڑ سے اکھڑ رہا تھا مگر  
شاخ پر برگ و بار آتا رہا

شہر دل میں چراغ جلتا نہیں  
سنگ میں بھی شرار آتا رہا

خاک اڑانے کو راستوں میں مرے  
پھر وہی شہسوار آتا رہا

ایک دل پر عذاب اُترتا رہا  
ایک دل کو قرار آتا رہا

اُن کے آتے ہی باغ میں عادل  
ہر شجر زیر بار آتا رہا





کس کے غم میں جاگا ہے

چاند پر جو ہالا ہے

چاہتا ہے دل جس کو

آسمان کا تارا ہے

دُور موت سے کوسوں

زندگی نے مارا ہے

فن سے مطمئن ہونا

موت کا اشارا ہے

کھا لیا ہے ممنوع پھل

یہ گنہ پرانا ہے

منتظر رہیں کب تک

اب خیال ہارا ہے

ہاں زبان کو عادل

شاعروں نے پالا ہے





فصلِ غم جب بھی کاٹتا ہے وہ  
کہکشانوں کو بانٹتا ہے وہ

سو رہا ہے جو ایک مدت سے  
میری آنکھوں میں جاگتا ہے وہ

دل کی گہرائیاں نہیں معلوم  
اک سمندر کو جھانکتا ہے وہ

مُنہ پہ ہے رنگ و نور کا عالم  
تیرگی من میں پالتا ہے وہ

پانیوں کے نگر کا شہزادہ  
آگ کے کھیل کھیلتا ہے وہ

خود کو عادل اُسے نہ دے بیٹھوں  
میرا میں مجھ سے مانگتا ہے وہ





آشیانہ دل کا جل کر رہ گیا  
ایک کانٹا تھا نکل کر رہ گیا

کیا ہوا یارو وہ جوشِ اضطراب  
دل سا پتھر بھی پگھل کر رہ گیا

خواب پلکوں کے افق پر رکھ کر  
جیتے جی شعلوں پہ چل کر رہ گیا

اک مکاں شعلوں میں بھی محفوظ ہے  
ایک گھر خوشبو سے جل کر رہ گیا

آگ پھولوں کو پلا کر عادل  
اب کے سناون چاں چل کر رہ گیا





ہے چمن سے مجھ کو وحشت کیا کروں  
دشت ہے میری ضرورت کیا کروں

تیری بندہ پروری کا شکریہ  
نا اُمیدی میری قسمت کیا کروں

ہے طلب ناصح کو بھی اُس شوخ کی  
کون کرتا ہے نصیحت کیا کروں

ریت کے میرے مکاں سے عادل  
ہے ہواؤں کو عداوت کیا کروں







کیا لکھا ہے بے زبانوں کی جبین پر دیکھنا  
گل کھلیں گے پھر سے شعلوں کی زمیں پر دیکھنا

باز کی نظروں میں رہتے ہیں دیارِ غیر میں  
پھر پرندے اڑ کے آئیں گے یہیں پر دیکھنا

سہمے سہمے لوگ گھر کے ، گھر بھی ہے افسردہ  
کیا گزرتی ہے مکاں پر اور مکیں پر دیکھنا

آج اُس نے تیرگی کی بات کی تھی رو برو  
چاند سے روشن ہیں اب اُس کی جبین پر دیکھنا

گھر کی ہر دیوار گرتی ہے اُسی کے سر پر  
آخرش کیا کیا گزرتی ہے مکیں پر دیکھنا

سنگ دل اتنے نہیں پتھر اُٹھانے والے  
پھول بھی برسائیں گے عادل ہمیں پر دیکھنا



عشق میں کامیاب ہیں ہم بھی  
کتنے خانہ خراب ہیں ہم بھی

مانا کہ لاجواب ہو تم لوگ  
ماہتاب آفتاب ہیں ہم بھی

اُن کی آنکھوں میں خواب تو ہیں کئی  
اور تعبیر خواب ہیں ہم بھی

کل کسی اور کو چاہ تو لوں گے  
شکل موج و حباب ہیں ہم بھی

سوکھ جانا ہے خاک ہونا ہے  
راستوں کے گلاب ہیں ہم بھی

بے وفا سے وفا کی ہے عادل  
مستحق عذاب ہیں ہم بھی

## اظہار تشکر

○ اپنے دوست ڈاکٹر فرید پربتتی کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میری اتنی حوصلہ افزائی کی کہ میں اپنے کلام کو کتابی صورت دے سکا۔

○ اپنے دوست جناب طارق کابلی کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کیلئے میری تصویر کھینچی۔

○ میں شکر گزار ہوں اپنے ایک اور دوست جناب ارشد صالح کا جنہوں نے اس کتاب کا سرورق بڑی محنت اور محبت کے ساتھ بنایا۔

○ ناسپاسی ہوگی اگر جناب گلزار حضرت بلی کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اس مجموعے کی کمپیوٹر کمپوزنگ انتہائی لگن اور محنت سے کی۔

(شرف عارف)







